پاکستان میں زکوٰۃ کی متوقع آمدنی

چند توجہ طلب مسائل

اے۔ جے۔ عمر

اکتوبر ۸۲ء کے ترجمان القرآن میں جناب ابوالعرفان صاحب کا مضمون "پاکستان میں زکوٰۃ کی متوقع آمدنی" اشاعت پذیر ہوا ہے۔ یہ مضمون اس اعتبار سے بہت قابلِ قدر ہے کہ جناب مصنف نے پاکستان میں بیشتر اعداد و شمار کے ذرائع سے استفادہ کیا ہے اور ان ذرائع سے جو ممکنہ تخمینہ لگایا جاسکتا تھا وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب رہے ہیں۔ موصوف کی یہ بات بھی بہت حد تک درست ہے کہ زکوٰۃ کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے اعداد و شمار جمع کرنے اور انہیں شائع کرنے کا انداز بھی از سرِ نو استوار کرنا ہوگا۔ کیونکہ موجودہ ذرائع کچھ اور مقاصد کے پیشِ نظر اعداد و شمار شائع کرتے ہیں۔ چنانچہ ہماری رائے میں اس کام کے لیے دو چار افراد پر مشتمل کسی ٹیم کو اعداد و شمار جمع کرنے، انہیں ضرورت کے مطابق ڈھالنے کا طویل اور محنت طلب کام سپرد کرنا چاہیے۔

ابوالعرفان صاحب نے جو اعداد و شمار فراہم کیے ہیں وہ سرکاری ذرائع سے حاصل شدہ ہیں لہٰذا ان کی صداقت پر گفتگو کرنا زیادہ سود مند نہیں ہوسکتا۔ البتہ جس طریقہ (METHODOLOGY) سے یہ اعداد و شمار استعمال کیے گئے ہیں اور جو نتائج ان سے نکالے گئے ہیں ان میں چند باتیں محلِ نظر ہیں۔ جن کو ہم ترتیب وار درج کرتے ہیں۔

۱۔ سب سے اہم مسئلہ "اموال تجارت" پر زکوٰۃ کا ہے۔ ابوالعرفان صاحب نے "اموالِ تجارت کی مالیت" کی اصطلاح استعمال کی ہے جس سے ان کی مراد واضح نہیں ہوتی، یعنی کیا ان کی مراد سٹاک

(STOCK — IN — TRADE) ہے؟ یا وہ تمام سرمایہ جس سے کاروبار کیا جا رہا ہے؟ اُن کے تجزیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ "تجارتی اموال" سے مراد کاروباری سرمایہ لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اموالِ تجارت سے مراد تجارتی مال یعنی (STOCK–IN–TRADE) ہوتا ہے۔ کسی کاروبار میں دیگر اثاثہ جات پر زکوٰۃ نافذ نہیں ہوتی، یعنی عمارت، زمین، مشینری، فرنیچر وغیرہ۔ لیکن ہم جمہور کی اِس رائے پر اجتہاد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ابوالعرفان صاحب کی یہ رائے کہ تجارتی اموال سے مراد تمام اثاثہ جات ہیں زیادہ صائب ہے۔ بہرحال ابوالعرفان صاحب کو یہ موقف واضح طور پر بیان کرنا چاہیے تھا۔

ابوالعرفان صاحب نے تجارتی اموال پر شرح نصاب تین لاکھ روپے فرض کی ہے اس کی بنا سمجھ میں نہیں آسکی، تجارتی اموال کا نصاب وہی ہے جو کہ نقد سرمایہ کا ہوتا ہے یعنی ۵۲ تولے چاندی یا ۷½ تولے سونا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ چاندی والا نصاب زیادہ معتبر روایات سے ہم تک پہنچا ہے لہٰذا تجارتی اموال کی شرح نصاب ۵۲ تولے چاندی پر ہونی چاہیے۔ اگر یہ بات تسلیم کی جائے تو ہر وہ کاروبار جس کا سرمایہ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰۰ ہزار روپے ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لیکن اگر سونے کا نصاب مانا جائے تو بھی حد نصاب -/۴۵۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایسی صورت میں بھی شاید ہی کوئی کاروبار ہو جس پر زکوٰۃ نہ لگے۔ ممکن ہے خوانچہ فروش بچ جائیں۔

ابوالعرفان صاحب نے جو تخمینہ لگایا ہے اس میں ایک اور بات بھی محل نظر ہے مثلاً انہوں نے تمام زکوٰۃ کے قابل تجارتی اموال کو جمع کر لیا ہے، ہم سمجھتے ہیں اِس سے اُن کی مراد کاروباروں کے تمام اثاثہ جات (ASSETS) ہیں۔ ظاہر ہے کہ اِن اثاثہ جات میں کاروباروں کی بینکوں، اُن کی نقد رقوم اور ان کے حصص اور بانڈز میں سرمایہ کاری بھی شامل ہے۔ لہٰذا جب تمام کاروباری اموال پر (یعنی اثاثہ جات پر) زکوٰۃ کا حساب لگ گیا تو پھر حصص، بانڈز، بنکوں میں جمع رقوم اور نقدی پر زکوٰۃ کا حساب لگاتے وقت کاروباری طبقہ کی رقوم کو منہا کرنا لازم ہے ورنہ وہ دوبار شمار ہو جائیں گے، موصوف نے ایسا نہیں کیا، لہٰذا اِن مدوں کی حد تک ان کا تخمینہ دوہرے شمار کا حامل ہے جس کو از سرِ نو جانچنا ہوگا۔

اب مسئلہ اِن اموال پر زکوٰۃ کا اندازہ کرنے کا ہے۔ بلاشبہ موجودہ حالات میں یہ ایک جان جوکھوں کا کام ہے اور جب تک اعداد و شمار جمع کرنے کے لیے محنت نہ کی جائے کوئی قابلِ اعتماد تخمینہ لگانا مشکل ہے، جیسا کہ ہم نے اُوپر کہا ہے کہ اِس کام کے لیے کسی ٹیم کو یہ کام لمبے عرصے کے لیے کرنا ہوگا۔ ہمارے خیال میں اِس کام کو انجام دینے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے۔

اوّل یہ کہ پورے ملک میں تمام کاروباروں کا جامع گوشوارہ تیار کیا جائے جسے سرمایہ کے اعتبار سے مختلف مدات (CATEGORIES) میں بانٹ دیا جائے، مثال کے طور پر ۱۰۰۰/- روپے سے لے کر ۵۰۰۰/- روپے تک کے سرمایے کے کتنے کاروبار ہیں۔ پھر ۵۰۰۰/- روپے سے ۱۰۰۰۰/- روپے تک کے کتنے، اِسی طرح ۱۰،۰۰۰/- روپے سے ۲۰،۰۰۰/- روپے ...... علیٰ ہٰذا القیاس، کروڑوں تک کے کاروبار کی مختلف مدات بنالی جائیں۔ پھر ہر مدّ کا مجموعی سرمایہ نکالنا ممکن ہوگا۔ جو کہ اس کے اُوپر اور نیچے والی حد کی اوسط سے ضرب دے کر کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ۱۰۰۰ سے ۵۰۰۰ تک کی حد میں ۴۰۰،۰۰۰ کاروبار ہیں تو ان کو ہم ۳۰۰۰ ($\frac{۱۰۰۰ + ۵۰۰۰}{۲} = ۳۰۰۰$) سے ضرب دے کر مجموعی سرمایہ ایک ارب اور بیس کروڑ کہہ سکتے ہیں۔ یہ کام انفرادی تحقیق کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ یا پھر مختلف شہروں کے گروپ آبادی کے حساب سے بنائے جائیں اور ہر گروپ میں سے ایک یا دو شہروں کا تخمینہ اِس تفصیلی عمل کے ذریعہ لگایا جائے اور اس گروپ کے باقی شہروں کے لیے اسی رقم کو اوسط تسلیم کر لیا جائے۔ مثال کے طور پر اگر ایک گروپ میں پانچ شہر ہیں اور ایک شہر میں عملی کام کر کے مجموعی تجارتی اموال کی کوئی رقم نکال لی جائے۔ پھر اس کو پانچ سے ضرب دے دیا جائے تو اس گروپ کے تجارتی سرمایہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے شہروں کی موجودہ انتظامی تقسیم بھی کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ صنعتوں اور کاروباری مراکز کے ارتکاز کے حساب سے نئے حلقے بنائے جا سکتے ہیں۔ اور اِس طرح ہر حلقے کے ایک نمائندہ یونٹ کا عملی جائزہ لیا جائے بعد ازاں اِس کو اعداد و شمار کے ماہرین غلطیوں اور شماریاتی تعصب (STATISTICAL BAIS) سے پاک کر لیں۔ ہماری رائے میں یہ ایک بہت تفصیلی کام ہے لیکن اگر کوئی تنظیم اس کام کا بیڑا اُٹھائے تو انشاء اللہ اس سے مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

۲ - زرعی زکوٰۃ کے سلسلے میں جناب ابوالعرفان صاحب نے پانچ وسق نصاب کی بات تو ضرور

کی ہے لیکن بعد میں تخمینہ لگاتے وقت اس کو محسوب نہیں کیا ہے۔ اس سلسلہ میں عبداللہ المسدوسی کی کوشش قابل قدر ہے۔ انہوں نے جو طریق کار اختیار کیا ہے اہلِ علم کو چاہیے کہ اُسے بھی ایک نظر دیکھ لیں۔ اس کے علاوہ وسق کے وزن کے بارے میں مفتی شفیعؒ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ ایک وسق پانچ من اور ۱/۴ ۲ سیر کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ۵ وسق ۲۵ من اور ۱/۴ ۱۲ سیر کے ہوئے (مفتی محمد شفیع صاحب اوزان شرعیہ کراچی، دار العلوم ۱۳۹۱ ہجری)۔

غلہ کے کھیت یا باغ کی فروخت کے بارے میں ابوالعرفان صاحب نے لکھا ہے: "اگر خرید و فروخت کھیتی کے تیار ہونے اور پھلوں کے پک جانے سے قبل طے پاتی ہے تو زکوٰۃ خریدار ادا کرے گا......" حالانکہ یہ بات تقریباً حدیث کی تمام کتابوں میں منقول ہوئی ہے کہ ایسی بیع جائز نہیں جب تک پھل پک نہ جائیں۔ کسی روایت میں ہے کہ وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائیں۔ کسی میں ہے کہ جب تک سرخ نہ ہو جائیں وغیرہ۔ لہٰذا موصوف کی اوپر والی رائے ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔

اس طرح موصوف لکھتے ہیں: "ان اعداد و شمار کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۶۰ فیصد زیرِ کاشت رقبہ نہری زمینوں پر مشتمل ہے۔ باقی ماندہ میں سے ۲۰ فیصد بارانی ہو سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر ۸۰ فیصدی رقبہ وہ ہے جس پر عشر عائد ہوتا ہے اور ۲۰ فیصد رقبہ وہ ہے جس پر نصف عشر واجب ہے۔" اس سلسلہ میں ایک تو ۲۰ فیصد کا تخمینہ بالکل سرسری ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں بتائی، دوسرے یہ بات کہ نہری زمینوں والے لوگ آبیانہ بھی ادا کرتے ہیں تو کیا اُن کو اس میں کوئی چھوٹ ملے گی یا نہیں؟

۳۔ پراویڈنٹ فنڈ اور انشورنس: پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا تخمینہ لگانے کا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ یا دوسرے تمام وہ ادارے جو پراویڈنٹ فنڈ کی سہولت فراہم کرتے ہیں، ان سے سالانہ آخری ادائیگیوں (FINAL PAYMENTS) کی مجموعی رقم معلوم کی جائے۔ گورنمنٹ کے اعداد و شمار متعلقہ اکاؤنٹس آفیسر سے پتہ چل سکتے ہیں۔ پرائیویٹ اداروں کے لیے عملی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ اُن آخری ادائیگیوں پر ۱/۲ ۲ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ کا حساب کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تمام انشورنس کمپنیوں سے یہ پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ ایک سال کے اندر انہوں نے کتنی رقوم پالیسی پوری ہونے اور کتنی رقوم (SURRENDER VALUE) کے طور پر ادا کی ہیں

ان کے مجموعہ پر زکوٰۃ کا مجموعی تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔

۴۔ مویشیوں کی زکوٰۃ: جناب ابوالعرفان صاحب نے ٹھیک فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں اعداد و شمار بالکل موجود نہیں ہیں۔ اس کام کے لیے بھی فیلڈ ورک کی ضرورت ہے۔ تمام ملک کو مختلف منطقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پھر ہر منطقے کے ایک نمائندہ یونٹ کی اوسط عملی تجزیہ کے ذریعہ پتہ کی جائے۔ یہ کام تجارتی اموال پر اعداد و شمار جمع کرنے کے مشابہ ہوگا۔

پردے میں رہنے دو

المعروف

چادر اور چار دیواری

از

الاستاذ مظہر علی ادیب

پردے کے موضوع پر ایک انقلابی کتاب

جناب پروفیسر غفور احمد سکرٹری جنرل پاکستان قومی اتحاد نے ہر مسلمان گھرانے کے لیے اس کتاب کے مطالعہ کی پرزور سفارش کی ہے۔

دوسرا ایڈیشن ——— صفحات: ۱۲۸ ——— قیمت: ۴/- روپے

ناشر:- مکتبہ الادیب - ۱۸ - شارع فتح شیر - لاہور